لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ

وہ اپنے لئے دوڑتا ہے اور میں اپنے آقا کیلئے

تحریر و تقریر کو بہتر بنانے کے لئے جتنی صفات اور صلاحیتیں اور بلاغت کے اصول و قوانین ضروری ہیں ناقدینِ ادب نے ان سب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور ہر عہد میں ان پر بحث ہوتی رہی ہے، لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہوا ہے کہ ان صفات اور صلاحیتوں میں ایک بڑا مؤثر اور ناقابلِ فراموش عنصر یا عامل صاحبِ کلام کا اخلاص اور دردمندی ہے۔ ادب و انشاء کے ذخیرہ کا اگر ایک نئے اور زیادہ حقیقت پسندانہ اور گہرے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس کو دو قسموں پر تقسیم کرنا بیجا نہ ہوگا۔ ایک وہ تحریریں یا اظہارِ خیال جو اندرونی تقاضے اور داعیہ اور کسی طاقت و عقیدہ یا یقین کے ماتحت وجود میں آئیں، اور ان سے مقصود کسی فرمائش یا حکم کی تعمیل، کوئی دنیاوی منفعت یا کسی صاحبِ اقتدار یا صاحبِ ثروت انسان کی رضامندی نہیں تھی، بلکہ وہ خود اپنے ضمیر یا عقیدہ کے فرمان کی تعمیل تھی جس میں اہلِ حکومت اور اہلِ ثروت کے فرمان سے زیادہ قوت ہوتی ہے اور جس سے سرتابی کرنا کسی صاحبِ ضمیر انسان کے بس میں نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی فرمائش کی تعمیل یا کسی دنیاوی منفعت کے حصول یا کسی بالاتر انسان کے حکم کی تعمیل میں ہو۔

ادب کی ان دونوں قسموں میں زمین آسمان کا فرق ملے گا۔ پہلا ادب "ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہے، وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کا موضوع دینی اور اخلاقی ہے، تو اس کا قلب اور اخلاق پر گہرا اور انقلاب انگیز اثر پڑتا ہے، ہزاروں آدمیوں کے دل میں اس کے پڑھنے سے اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کے برخلاف دوسری قسم کا ادب داد و تحسین اور عارضی سُرور و خوش وقتی کے سوا روح اور قلب پر اپنا کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑتا، اسکی زندگی اور عمر محدود و مختصر ہوتی ہے، پہلے ادب میں بے ساختگی اور بے تکلفی ہوتی ہے، دوسرے ادب میں صنعت اور اہتمام۔ ادب کی بارگاہ میں بے ادبی نہ ہو، تو ان دونوں قسموں میں وہی فرق ہے جو ایک تمثیلی حکایت میں بیان کیا گیا ہے، کہ کسی نے ایک شکاری کتے سے پوچھا کہ: "ہرن بھاگنے میں تم سے کیوں بڑھ جاتا ہے، اور تم اس کو کیوں نہیں پکڑ لیتے؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ وہ اپنے لئے دوڑتا ہے اور میں اپنے آقا کے لئے"۔

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

(ماخوذ کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم)

Regd No. LW/NP 56
Phone 22743 / 29747
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

مجمع بحار الانوار
(احادیث کی مشکلات حل کرنے کی بے نظیر کتاب)
تالیف:۔ ملک المحدثین علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی گجراتی (المتوفی ۹۸۶ھ)
ہندوستان میں
مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ
سے دستیاب ہوسکتی ہے۔

جعلی لیبل، نقلی کیپسول اور ڈبے کے ڈھکن سے ہوشیار!
نورانی تیل
درد۔ زخم۔ چوٹ۔ جلنے۔ کٹنے کی دوا۔
اب سنہرے اور ہرے دورنگے کیپسول پر ٹریڈ مارک دیکھ کر خریدیئے۔
انڈین کیمیکل کمپنی مئوناتھ بھنجن یوپی

ہند تیل
ہر قسم کے جسمانی۔ درد۔ چوٹ۔ زخم۔ موچ۔ جلنے۔ کٹنے و ہرا چانک گھریلو حادثہ کا فوری علاج ہے۔ اس کی مسلسل مالش کرنا بچوں کو تندرست و توانا بناتی ہے
تیار کردہ:۔ ہند سی۔ سی ورکس۔ مئوناتھ بھنجن یوپی

"تعمیر حیات"
میں
اشتہار
دیکر
اپنی تجارت
کو
فروغ
دیجئے

عطر مجموعہ نمبر ۳۹۱۸
حافظ محمد زکریا ایرانی تاجران عطر و تیل

شربت نزلہ
معمولی
کھانسی، زکام
اور نزلہ کے لئے
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بہترین چائے کا قابل اعتماد مرکز
عباس علاء الدین اینڈ کمپنی
اسپیشل مکسچر | کپ برانڈ
اسپیشل ممری | گولڈن ڈسٹ
نوبل مکسچر | فلاوری بی او پی
TELEGRAM: CUP, KATTLY
PHONE No. 332220

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۰ جون ۱۹۷۷ء ——— ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ

فی شمارہ: ۶۰ پیسے ——— سالانہ: بارہ روپے

جلد نمبر ۱۴ + شمارہ نمبر ۱۵

اسحٰق جلیس ندوی

اہلِ علم اور اصحابِ خیر کی خدمت میں

ندوۃ العلماء کی بنیاد اس عہد میں پڑی جس میں تازہ دم اور توانا مغرب اور کمزور اور شکست خوردہ مشرق کی باہمی کشمکش اپنے نقطۂ عروج پر پہونچ چکی تھی۔ اس عقلی اور فکری کشمکش میں متعدد تعلیمی اور اصلاحی تحریکیں وجود میں آئیں اور انہوں نے اپنے اپنے دائرۂ عمل میں اسلام اور مسلمانوں کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

تحریک ندوۃ العلماء کے دو بنیادی مقاصد تھے (۱) نظام تعلیم کی اصلاح (۲) رفع نزاع باہمی۔ مگر کچھ مدت گزر جانے کے بعد تحریک ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد اور دائرۂ عمل میں وسعت اور ہمہ گیری پیدا ہوتی چلی گئی۔ اس نے متعدد بار اس ملک اور عالم اسلام کے دینی، تعلیمی، تہذیبی مسائل میں موثر رہنمائی کی نیز ذہنی اور فکری غذا کے لئے اپنے مقاصد میں ایک ایسے کتب خانہ کا قیام شامل کیا جو کتابوں کی تعداد و تنوع، نظم و انتظام اور محل وقوع کے اعتبار سے مثالی کتب خانہ ہو۔

تحریک ندوۃ العلماء کے استقبال و عروج کا ایک دور وہ بھی تھا کہ جب اس کے سالانہ اجلاس اس ملک کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے تھے۔ قدیم و جدید تعلیمیافتہ اور بااثر قائدین کے ایسے اجتماعات اس ملک کی تاریخ نے شاید ہی کبھی دیکھے ہوں ——— تحریک ندوۃ العلماء کی دعوت اور پیام نے نظام تعلیم کی اصلاح اور باہمی تنازعات کے خاتمہ کا احساس عالم اسلام میں پیدا کیا ——— علامہ سید رشید رضا مصری اور دوسرے اہل قلم اور مصلحین نے جامعہ ازہر کے نظام تعلیم میں اصلاح کی تحریک کو ندوۃ العلماء کی صدائے بازگشت قرار دیا۔

تحریک ندوۃ العلماء کی تاسیس ۱۳۱۱ھ میں ہوئی۔ اس وقت بانیانِ ندوہ کو اپنی درسگاہ کے قیام کا خیال نہ تھا بلکہ وہ صرف ہندوستان کے عربی مدارس کے نظام تعلیم اور طریقۂ تربیت کی اصلاح کرنا چاہتے تھے لیکن ہندوستان کی انتہا پسند فضا میں جب اس طریقۂ وسط اور راہ اعتدال میں کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو خود ندوۃ العلماء نے ایک دارالعلوم قائم کیا جس کا ۱۳۱۶ھ میں لکھنؤ کے ایک چھوٹے سے مکان میں افتتاح ہوا۔ چونکہ یہ عمارت دارالعلوم کی ضرورتوں کے لئے ناکافی تھی اس لئے کارکنانِ ندوہ کو اپنی عمارت تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا اور ۱۹۰۸ء کو لکھنؤ کے ایک پُر فضا مقام پر جو دریائے گومتی کے کنارے واقع ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اپریل ۱۹۱۲ء دارالعلوم اور دارالاقامہ نیز کتب خانہ ندوۃ العلماء اس جدید عمارت میں منتقل ہو گئے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ساتھ کتب خانہ ندوۃ العلماء بھی روز بروز ترقی اور وسعت کی منزلیں طے کرتا رہا۔

ندوۃ العلماء کے قیام کو پون صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اس مدت میں ندوہ کی زندگی میں ایسے حوصلہ شکن واقعات اور ایسی ایسی آزمائشیں پیش آئیں کہ اگر اس کے مخلص کارکنوں کے پائے استقامت کو ذرا بھی لغزش ہوتی تو انیسویں صدی کے عالم اسلام کی اس عظیم الشان دینی تحریک کا چراغ گل ہو جاتا۔ لیکن بانیانِ ندوہ کے اخلاص، تحریک ندوۃ العلماء کی اندرونی صداقت اور منتظمین ندوہ کی ثبات قدمی اور اسلاف کے قیمتی اثاثہ کی حفاظت کے پر خلوص جذبہ نے اپنے ہر گرداب سے بچایا اور ہر طوفان میں محفوظ رکھا۔

ندوہ کے لئے آزمائش کا ایک مرحلہ ماضی قریب کی تاریخ میں پیش آیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان کے مسلمان جس ہراسانی اور پریشانی کا شکار تھے، ان کا اور ان کے دینی، ملی، تعلیمی اور ثقافتی مراکز کا وجود اور مستقبل جن خطرات سے دوچار تھا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ندوہ کی تحریکی سرگرمیاں ماند پڑ گئی تھیں اور وہ صرف دارالعلوم، کتب خانہ اور چند شعبوں میں سمٹ کر رہ گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد انہیں تک چلانا اور جاری رکھنا دشوار تھا۔ اس نازک اور صبر آزما موقع پر اس وقت کے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی طرف سے حکومتی سطح پر امانت کی ایک اسکیم پیش کی گئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ندوہ سے قلبی اور جذباتی تعلق کسی سے پوشیدہ نہیں، مولانا آزاد ندوہ میں مولانا شبلی نعمانی کے زیر تربیت مدت تک رہ چکے تھے اور "الندوہ" (جس کے مدیر علامہ شبلی نعمانی تھے) کے نائب مدیر کی حیثیت سے کام کر چکے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی پیشکش اور ندوہ پر ایسے بے سروسامانی کے حالات کہ موت و زیست کی کشمکش کا شکار، مگر کارکنانِ ندوہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے حکومت کی اس مستقل اعانت اور دائمی پیشکش کو بحسن و خوبی ٹال دیا۔

کارکنانِ ندوہ نے اپنے بزرگوں کے قیمتی اثاثے، ندوہ کے اصل امتیاز و تشخص اور اس کی آزاد پالیسی کو ہر قسم کی ایثار و قربانی اور آزمائشوں کے باوجود سینے سے لگایا اور "پرواز میں کوتاہی" کے اندیشہ کو ان کے خوددار اور دور اندیش مزاج نے گوارا نہ کیا۔

ندوۃ العلماء ایک تحریک ہے، ندوہ ایک مکتبِ فکر (SCOOL OF THOUGHT) کا نام ہے۔ ندوہ توکل اور ایثار کی بنیاد پر ایک جماعت کی تشکیل و تعمیر کا مرکز ہے، اسے کسی عصری اور سرکاری تعلیمی ادارے کا ضمیمہ بنانا ندوہ کے اس دور کے باہمت بانیوں کو قبول نہ تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی وہ پیشکش (اگرچہ وہ بربنائے اخلاص و ہمدردی تھی) قبول کر لی جاتی تو ندوہ آج لکھنؤ یونیورسٹی کا اورینٹل ڈپارٹمنٹ بن کر رہ جاتا۔ اس کے درو دیوار ان طلباء کے لئے ترستے جو مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا شبلی نعمانیؒ، مولانا سید عبدالحی صاحبؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کے جانشین بنتے اور ان کی بنائی ہوئی شاہراہ پر گامزن ہو کر قومی اور ملی تعمیر کا سفر کرتے۔

ندوہ نے اس طرح کی مستقل اعانت سے اپنے کو ہر دور میں محفوظ رکھا جو آئندہ چل کر اس کے پاؤں کی بیڑی بن جاتے اور یہی آج بھی اس کی پالیسی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد کا بھرپور صلہ ندوہ کو ملا۔

۱۹۴۷ء کے بعد ندوہ نے جو ترقی کی وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ نصاب تعلیم کی اصلاح کا اعلان ندوہ نے روزِ اول سے ہی کیا تھا مگر اس کی تکمیل ۱۹۴۷ء کے بعد ہوئی۔ آج ندوہ کی تیار کردہ نصاب کی کتابیں ہمارے ملک کی جامعات ہی میں نہیں بلکہ عالم عرب کی معروف یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہیں، نئی نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں، طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوا اور عالم اسلام میں ندوہ فکر اسلامی کے مرکز اور ندوی برادری دین، علم اور اسلامی ثقافت کی علمبردار ایک معروف جماعت کی حیثیت سے متعارف ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء مسلمانانِ ہند کا عالم اسلام کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے، ضرورت ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے اس گراں قدر ورثے کی حفاظت و بقا اور ترقی کے لئے دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون فرمائیں۔

"تعمیرِ حیات" کے قارئین سے!

۱۔ تعمیر حیات کا کم از کم ایک خریدار مہیا کر کے مبلغ بارہ روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے۔

۲۔ جن خریداروں کا چندہ ختم ہو گیا ہے وہ جلد اپنی رقوم بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔

۳۔ جن ایجنسیوں کی طرف بقایا ہے وہ جلد از جلد اس کی ادائیگی کریں۔

۴۔ جن حضرات کو اب تک اعزازی پرچہ بھیجا جاتا رہا براہ کرم وہ اپنے تعلق کو بحیثیت خریدار برقرار رکھیں۔ سالانہ بدل اشتراک صرف بارہ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر وی۔ پی کے مصارف سے خود کو اور دفتر کو زیر بار ہونے سے بچائیں اعزازی قارئین سے بھی بارہ روپے سالانہ اعانت مطلوب ہے۔ گذشتہ مراسلے میں غلطی سے ۵۰ روپے سالانہ شائع ہو گیا تھا، اس کی تصحیح فرمالیں۔

۵۔ مخیر حضرات ۲۵۰ ـ ۲۰۰ ـ ۱۰۰ یا ۵۰ روپے یکمشت بھیجکر ہمدرد معاون خصوصی اور معاون کی فہرست میں شامل ہوں۔

۶۔ ہر مقام پر "تعمیر حیات" کی ایجنسی قائم کرنے کی کوشش فرمائیں، مقتدر اور دیانتدار نوجوانوں کو اس کی طرف متوجہ کریں۔

۷۔ تاجر حضرات اشتہارات کے ذریعہ اپنی تجارت کو فروغ اور تعمیر حیات کو مالی استحکام بخشیں۔ اشتہارات کی وصولیابی کے لئے کوشش کرنے والوں کو حق المحنت بھی پیش کیا جائے گا۔

۸۔ وی۔ پی کے مصارف بہت بڑھ گئے ہیں حتی الامکان وی۔ پی کی نوبت نہ آنے دیجئے اور اپنی رقوم بذریعہ منی آرڈر بھیجئے۔

۹۔ مخیر حضرات اپنے شہر کی لائبریریوں، اسکولوں، کالجوں اور مدرسوں کے نام "تعمیر حیات" جاری کریں۔

علاء الدین رانچوی

یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

عفان بن مسلم کہتے ہیں کہ مجھ کو اسحٰق بن ابراہیم نے بلایا اور وہ خط پڑھ کر سنایا جو خلیفہ مامون نے ان کے نام لکھا تھا کہ: "اگر عفان بن مسلم قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو ٹھیک ورنہ وہ وظیفہ جو انہیں ہر ماہ پانچسو درہم کی صورت میں دیا جاتا رہا ہے بند کر دیا جائے۔"

عفان کہتے ہیں کہ اسحٰق بن ابراہیم نے مجھ سے پوچھا، آپ کی کیا رائے ہے میں نے سورۂ احد کی تلاوت کی اور کہا، کیا یہ قرآن مخلوق ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا اگر یہ مخلوق نہیں ہو سکتا تو خلیفہ کے حکم کے بموجب آپ کا وظیفہ آج ہی سے بند کر دیا جاتا ہے۔ میں نے دوبارہ اس آیت کی تلاوت کی "وفی السماء رزقکم وما توعدون" یہ سُن کر وہ خاموش ہوا اور واپس لوٹ گیا۔
(صفۃ الصفوۃ)

ابویزید بسطامی فرماتے ہیں کہ تین شخص ایسے ہیں جو خدا کی طرف سے تین چیزوں کی وجہ سے غفار و پوشیدہ رہتے ہیں۔ زاہد اپنے زہد کی وجہ سے، عابد اپنے عبادت کی وجہ سے، عالم اپنے علم کی وجہ سے۔ پھر فرمایا، اگر بیچارے زاہد کو یہ علم ہو جائے کہ خدا نے پوری کائنات اور کائنات کی ساری چیزوں کو شئی حقیر سے تعبیر کیا ہے تو اسے معلوم ہو کہ کتنی چیزوں پر اس نے دسترس حاصل کی اور کتنی چیزوں سے زہد و استغنا برتی۔ عبادت گذار کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ عبادت صرف خدا کی منت و احسان کا نتیجہ ہے تو اپنی عبادت اس کو احسان ہی احسان نظر آنے لگے، عالم کو اگر یہ حقیقت معلوم ہو کہ کائنات میں علوم و فنون کے جو کرشمے ظاہر ہیں لوح محفوظ کے مقابلے میں ان کی حیثیت ایک سطر سے زیادہ نہیں تو اسے معلوم ہو کہ اس ایک سطر کے کتنے حصے کو اس نے پایا اور پھر اخذ شدہ کے کتنے حصے پر عمل پیرا ہوا نیز انہوں نے فرمایا "بندہ ہمیشہ یہی سوچا رہتا ہے کہ مخلوق میں اس سے بھی ارذل اور بدتر لوگ موجود ہیں اور یہی خیال اسے متکبر بنا دیتا ہے"۔ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ تیس سال سے ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ جب بھی خدائے عزوجل کا نام لیتا ہوتا ہوں تو پہلے کلی کرتا ہوں پھر منہ صاف کرتا ہوں اور پھر اللہ کا نام لیتا ہوں اور یہ صرف اس کی عظمت و جلال کا لحاظ کرتے ہوئے۔
(صفۃ الصفوۃ)

ذکریا بن دلویہ کہتے ہیں کہ طاہر بن عبداللہ نے محمد بن رافع کی خدمت میں اپنے قاصد کے معرفت پانچ ہزار درہم بھیجے قاصد عصر کے بعد حاضر ہوا تو انہیں سوکھی روٹی کے ٹکڑے چباتے ہوئے پایا اس نے روپوں کی تھیلی ان کے سامنے رکھ دی اور کہا "امیر نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے تاکہ آپ اپنے اہل و عیال پر خرچ کریں۔ انہوں نے فرمایا، ہٹاؤ، ہٹاؤ، مجھے اس کی ضرورت نہیں کیونکہ سورج ختم کے آخری افق پر پہونچ چکا ہے اور اب تھوڑی دیر کے بعد غروب ہو جائے گا۔ میری عمر اب ۸۰ سے بھی زیادہ ہو چکی ہے کب تک زندہ رہوں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے مال واپس بھجوا دیا۔ قاصد نے مال لیا اور چلتا بنا۔ اتنے میں ان کا لڑکا آیا اور کہنے لگا، "والد صاحب رات کے کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔۔ ۔۔۔۔ ان کو اندیشہ ہوا کہ یہ جا کر کہیں روپے مانگ نہ لائے اس خطرہ سے انہوں نے اپنے کسی مرید کو بھیجا کہ مال، مال والے ہی کو واپس کر دیا جائے۔
(صفۃ الصفوۃ)

ابو عثمان نیساپوری کہتے ہیں کہ ہمارا ایک قافلہ اپنے استاذ و مرشد ابوحفص نیساپوری کے ہمراہ روانہ ہوا۔ ہم تھوڑی دیر بعد بیٹھ گئے، اور شیخ تکلم فرمانے لگے جس سے ہمیں بڑا اطمینان نصیب ہوا اتنے میں دیکھا کہ ایک چھوٹا سا جانور آپ کے قریب آیا اور بیٹھ گیا۔ اتنے میں شیخ بہت پریشان ہوئے اور زار و قطار رونے لگے۔ جب ذرا اطمینان ہوا تو ہم نے پوچھا۔ استادِ گرامی! آپ گفتگو فرماتے رہے جس سے ہمیں دلی راحت و سکون حاصل ہو رہا تھا لیکن جب یہ جانور آپ کے قریب بیٹھ گیا تو آپ سخت مضطرب و پریشان ہوئے آخر ماجرا کیا ہے؟ فرمانے لگے، میں نے تم لوگوں کی جمعیت اپنے ارد گرد دیکھی، تم بہت خوش اور مطمئن تھے۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر کوئی بکری ہوتی تو ذبح کرتا اور تم لوگوں کی دعوت کرتا ـــ اس خیال کا آنا تھا کہ یہ جانور آگیا اور دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں مجھے فرعون کی وہ دعا یاد آئی جس میں اس نے خدا سے سوال کیا تھا کہ "دریائے نیل اس کے لئے رواں دواں کر دیا جائے" تو خدا نے قبول کر لیا تھا۔ کہیں میری مثال اسی کی طرح نہ ہو۔ مزید کہا میں اس پر راضی نہیں ہوں کہ خدا مجھے اس دنیا میں ہر طرح کے آرام و آسائش کی چیزیں مہیا کرے اور آخرت میں بے یار و مددگار چھوڑ دے اس خیال نے مجھے سخت بے چین بنا دیا تھا۔
(صفۃ الصفوۃ)

رودادِ چمن

ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کی مفصل روداد

مرتبہ: مولانا محمد الحسنی ندوی

مدیر البعث الاسلامی (دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

○ ایک دستاویز ——— ○ ایک کہانی ——— ○ ایک پیغام

ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی (منعقدہ نومبر ۱۹۷۵ء) کی تفصیلی رپورٹ جس کا آپ کو شدت سے انتظار تھا منظر عام پر آگئی ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ایماء پر یہ روداد مرتب کی گئی ہے جس میں شیخ الازہر کا خطبۂ صدارت، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا تاریخی خطبۂ استقبالیہ اور اجلاس کی دوسری تقریریں، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کے قلم سے ندوۃ العلماء کے ماضی، حال اور مستقبل کا خاکہ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مجمع کے وقت کئے ہوئے ایمان افروز بیانات، اہم تقریروں اور مقالات کے خلاصے سب شامل ہیں۔

اس کے علاوہ اجلاس کے وسیع انتظامات اور تیاریوں اور اجلاس کے مناظر کی اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے پڑھنے والا خود اجلاس میں شریک ہے اور تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

پوری کتاب دارالعلوم کی خوبصورت عمارتوں کی تصاویر نیز دوران اجلاس نماز جمعہ کے دلفریب منظر سے بھی مزین ہے۔

○ خوبصورت رنگین ڈسٹ کور ——— ○ دیدہ زیب گٹ اپ

ضخامت: ۳۰۰ صفحات علاوہ تصاویر — قیمت: مجلد صرف ۱۵ روپے

ملنے کے پتے: (۱) مکتبۂ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ پوسٹ بکس ۹۳۔ لکھنؤ

(۲) کتب خانہ رشیدیہ۔ جامع مسجد، اردو بازار۔ دہلی

آنکھوں دیکھا حال

کُل ہند کنونشن "حلقۂ پیام انسانیت"

از: شعیب اسلم حیدرآبادی۔ متعلم دارالعلوم ندوہ

دسمبر ۱۹۷۴ء کو الہ آباد کی سرزمین سے جو نامانوس صدا بلند کی گئی تھی وہ آج حلقۂ پیام انسانیت کا روپ دھار کر اپنا عظیم الشان کنونشن منعقد کرنے جا رہی ہے۔ یہ کل ہند کنونشن ۲۰، ۲۱، ۲۲ مئی ۱۹۷۸ء کو ندوہ کے عظیم الشان کتب خانہ کے وسیع اور کشادہ ہال میں منعقد ہونے جا رہا ہے۔ یہ کنونشن بعض مصالح کی بنا پر انتہائی قلیل مدت میں بلایا گیا ہے صرف دس بارہ دن پہلے اس کی تیاریاں شروع کی گئیں۔ چند طلبہ پر مشتمل ایک والنٹیر گروپ تشکیل دیا گیا تھا جو ہر مذہب و ملت اور مسلک و خیال کے باشعور افراد تک اس کنونشن کو دعوت پہونچانے اور حلقۂ پیام انسانیت کنونشن کے دوسرے کاموں میں ہاتھ بٹانے میں پوری طرح پیش پیش تھا۔

اس دعوت کو مذہب و ملت سے ماوراء ہو کر ملک کے باخبر اور باشعور طبقوں تک پہونچانے کی حتی الامکان کوشش کی گئی۔

۲۰ مئی ۷۸ء کی شام اپنے جلو میں نوید صبح لئے آئی آج یہاں عجب سی رونق چھائی ہوئی ہے۔ والنٹیرس پوری مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں ہال آہستہ آہستہ پُر ہو رہا ہے اب اس کنونشن کا افتتاحی جلسہ ہونے والا ہے خطبۂ افتتاحیہ انشاء اللہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی جانب سے ہوگا بیرونی مندوبین کی آمد کا سلسلہ اس وقت تک برابر جاری ہے انشاء اللہ ہندوستان کی اکثر ریاستوں کی نمائندگی ہو جائے گی۔ اب تک جتنی ریاستوں کے لوگ پہونچے ہیں ان کے نام حسب ذیل ہے اتر پردیش، بہار، مغربی بنگال، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک، مدھیہ پردیش مندوبین کے قیام کا انتظام ندوہ کے مدرسہ ثانویہ کی عمارت میں کیا گیا ہے مہمانوں کی خدمت و سہولت کے لئے والنٹیر پوری طرح سرگرم ہیں، ممکن حد تک انکو آرام پہونچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ندوہ کے ڈائننگ ہال میں مندوبین کے کھانے کا انتظام کیا گیا ہے جس میں ویجیٹیرین (سبزی خور) و نان ویجیٹیرین کھانوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہ کنونشن جس ہال میں ہو رہا ہے اس کی خوبصورتی و رعنائی قابل دید ہے۔ اونچی چھت اور محرابوں پر نہایت موزوں اور خوبصورت پھول پتیاں بنی ہوئی ہیں جسے دیکھ کر کسی شاہی عمارت کا گمان ہونے لگتا ہے۔ یہ ہال اسلامی طرز تعمیر کا ایک نادر نمونہ جو نواب صاحب بہاولپور کے ۵۰ ہزار روپے کے گراں قدر عطیہ سے بنا ہے جو انہوں نے ۱۹۰۶ء میں ندوہ کو دیا تھا یہی وجہ ہے کہ اس ہال کا نام ریاست بہاولپور کے عباسی حکمراں خاندان کی نسبت سے عباسیہ ہال رکھا گیا ہے۔ جلسہ کے آغاز میں ابھی کچھ وقت ہے۔ دیکھیں جلسہ گاہ کے باہر کیا منظر ہے۔

یہ دیکھئے جلسے کے باہر والی گیلری کے دونوں جانب حلقۂ پیام انسانیت کے تیار شدہ چارٹس آویزاں ہیں جو اردو ہندی انگریزی میں ہیں جو بھی ان چارٹس کے پاس سے گذرتا ہے ان کی خوبصورت اور دل موہ لینے والی عبارت اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیتی ہیں حلقۂ پیام انسانیت کے ذمہ داروں نے ان چارٹوں میں انسانیت کے ایسے زریں اصول و مرقع جمع کر دئے ہیں کہ اگر کوئی ان پر عمل پیرا ہو جائے تو وہ انسان حقیقت میں انسان بن جائے۔

اب جلسہ کے آغاز کا وقت ہو چکا ہے حضرت مولانا خطبۂ افتتاحیہ دیں گے۔

اس سے پہلے کنوینر حلقۂ پیام انسانیت [illegible] نے حلقہ کے قیام کا پس منظر، اس کی ضرورت [illegible] پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اس کام کو اس [illegible] تک کی بنیاد یعنی دسمبر ۱۹۷۴ء سے بھی پہلے [illegible] کے بانی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی [illegible] تقریروں اور تحریروں سے کر رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا آج انسان انسان کا دشمن ہے یہ کبھی دوسرے انسان کو فائدہ پہونچانے کے بارے میں سوچتا تو درکنار الٹا اس کو نقصان پہونچانے پر تلا ہوا ہے۔ آج چند ایسے بے لوث انسانوں کی ضرورت ہے جو بستی بستی گھر گھر محلہ محلہ پھیل کر انسان کو انسانیت اپنانے کی دعوت دیں اس کے درد کو سمجھیں اس کے دکھ کو رفع کرنے کی کوشش کریں۔ یہ کنونشن سخت موسم اور الیکشن کی ہماہمی کے زمانہ میں بہت عجلت میں کیا جا رہا ہے اس کے باوجود سماج کے مختلف طبقوں کی طرف سے اس کا جس طرح استقبال ہوا وہ بہت حوصلہ افزا ہے اس دعوت و تحریک کے داعئ اول مولانا ابوالحسن علی ندوی کے نزدیک اس کام کی ایسی اہمیت و ضرورت ہے کہ اسے ہر قسم کے حالات میں جاری رہنا چاہئے۔ ہماری سیاسی سماجی اقتصادی سرگرمیاں اور منصوبے اسی وقت مفید و کارآمد ہو سکتے ہیں جب ان کو عمل میں لانے والوں میں انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کا جذبہ ہو۔ اس کنونشن کا افتتاح مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے خطاب سے ہو رہا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ پوری توجہ سے اسے سماعت فرمائیں۔

مولانا نے اس کنونشن کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ آج انسان کی بوالعجبی ہے کہ اس نے اس آشیانہ پر حملہ کر دیا ہے جس سے اس کی قسمت وابستہ ہے یا اس شاخ پر تیشہ چلاتا ہے جس پر اس کا آشیانہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں مختلف انسانی کوششوں کو آشیانہ سمجھتا ہوں میری نظر میں یونیورسٹی آشیانہ ہے کالج آشیانہ ہے لیبارٹری آشیانہ ہے غرض انسانی کوششوں کے جتنے بھی مراکز ہیں سب آشیانے کہلاتے ہیں، انسان انسان کو پہچانے انسان کو بنی نوع انسان سے ہمدردی ہے اب کچھ لوگ ان شاخوں کو جن پر آشیانہ لگا ہوا ہے توڑنے پر تُلے ہوئے ہیں، یہ کیسا انسان ہے جو صرف اپنے آشیانہ ہی کو جانتا ہے اور اپنی شاخ سے ناواقف ہے آج انسان معاشرہ میں دوسرے انسان سے اسکے مفاد سے ناواقف ہے اس نے آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔ جو چیز مجھے اور میرے رفیقوں اور حساس شخصیتوں کو بے چین کئے ہوئے ہے۔ وہ چیز یہی حقیقت ہے کہ اگر شاخ کی یہی حالت رہی تو پھر ان آشیانوں کی کب تک خیر منائی جا سکتی ہے آج ملک اور معاشرہ خطرہ میں ہے مولانا نے جذبات سے بھرپور آواز میں کہا کہ اگر انسانیت کی شاخ نہ رہی تو کچھ نہ رہے گا یہ جمہوریت یہ دانشگاہیں علمی مراکز صنعتی ترقی ادب و شاعری کچھ باقی نہیں رہے گا یہ تقریر ایک ایسے دردمند انسان کی زبان سے ہے جو انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی پامالی دیکھ کر تڑپ رہا ہے انسانیت کے زوال نے اسے بے چین کر دیا ہے اور جس کی شخصیت کرب و اذیت میں مبتلا انسانیت کا مجسم غم بن چکی ہے گویا۔ع

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

مئی کا مہینہ بلا کی گرمی اس کے باوجود عباسیہ ہال کی وسعت کا دامن حاضریں کی کثرت کی وجہ سے تنگ ہو گیا تھا۔ سامعین پورے صبر و سکون سے مولانا ندوی کی تقریر سن رہے تھے وہ تقریر جو ان کے دل کی دھڑکن تھی جو موجودہ انسانی سماج کی عکاس اور انسانیت کے درد کی زبان تھی۔ اذان مغرب تک یہ تقریر جاری رہی اور اسی کے ساتھ اس کنونشن کی افتتاحی نشست کا اختتام ہو گیا۔

ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ اجلاس سے قبل دارالعلوم ندوۃ العلماء کی حسین و دلکش اور کشادہ مسجد میں مزید توسیع کی گئی تھی طلبہ کی کثرت جو پانچوں وقت نمازیں جمعہ کی نماز کا منظر پیش کرتی ہے اس کے علاوہ مختلف تقریبوں کے موقعہ پر اور ہر ہفتہ نماز جمعہ میں بیرونی حضرات کی آمد کی وجہ سے ایک عرصہ سے مسجد کو کشادہ کرنے کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اس کنونشن کے پہلے دن عصر مغرب اور عشاء کی نمازوں میں طلباء اور اساتذہ کے دوش بدوش لکھنؤ اور بیرون لکھنؤ کے مہمانوں کی بڑی تعداد شریک نماز تھی مسجد کا اندرونی حصہ پُر ہو چکا تھا اور صحن میں بھی لوگ اُس خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور پرستش میں منہمک تھے جس کی تائید و نصرت کے بغیر کوئی انفرادی اور اجتماعی کام خیر و برکت نہیں لا سکتا۔

نماز مغرب ختم ہوئی اور ٹھیک ساڑھے سات بجے دوسری نشست کا آغاز ہوا اس کنونشن کی تمام نشستوں میں اناؤنسنگ کے فرائض مولانا اسحٰق جلیس ندوی نے انجام دئے۔

دوسری نشست کا آغاز مالک کائنات کے نام سے کرتے ہوئے انہوں نے مجلس تعلیم القرآن ناگپور (مہاراشٹر) کے صدر

جناب عبد الکریم صاحب پاریکھ کو تقریر کی دعوت دی۔

پاریکھ صاحب گوناگوں صفات و خصوصیات کے حامل انسان ہیں۔ ایک کامیاب تاجر ایک بے مثال خطیب و مقرر۔ قرآن مجید کے دلنشیں شارح اور مفسر۔ حکمت دین سے بخوبی واقف اور دعوت دین کے جذبہ سے سرشار مشہور و مقبول شخصیت لیکن ان سب کے باوجود اپنی اصلاح و تربیت کے لئے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے دامن ارادت سے وابستہ اور ان کے مطیع و فرمانبردار مسترشد ہیں پاریکھ صاحب نے اپنی تقریر میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"پیدا کرنے والے کو اپنی چیز سے محبت ہے۔ انسان انسان ہونے کے اعتبار سے اس ملک کے پچاس ساٹھ کروڑ انسانوں میں کوئی فرق نہیں۔ اگر ایک انسان کے قتل کرنے سے آپ بچ جائیں تو گویا آپ نے ساری انسانیت کو بچا لیا۔ ساری انسانیت کو متحد کیا جائے سارے انسانوں کی خدمت کا بیڑا اٹھایا جائے اس تحریک کا مقصد سیاسی نہیں مولانا نے درد انگیز الفاظ میں کہا کہ دنیا سے سچائی اٹھتی جا رہی ہے حالانکہ سچائی کی قدر ساری انسانیت کو کرنی ہے ان لسانی جھگڑوں میں نہ الجھو، چاہے جس زبان میں لکھو اور بولو مگر سچ بولو اور سچ لکھو۔

آج انسانیت گر رہی ہے مر رہی ہے اس کو اٹھانے کے لئے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے۔

پاریکھ صاحب کی تقریر اذان عشاء تک ہوتی رہی سامعین پوری دلچسپی سے اسے سنتے رہے، اذان ہوئی جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا گیا کل کی نشستوں کے پروگرام کے اعلان کے ساتھ حاضرین کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ جلسہ کے شرکاء میں معتد بہ تعداد غیر مسلموں کی بھی تھی۔

نماز کے بعد بیرونی مہمان پروگرام کے مطابق کھانے کے لئے ندوہ کے ڈائننگ ہال پہونچے۔ ڈائننگ ہال کا ماحول نفاست و حسن انتظام کا ایک اچھا منظر پیش کر رہا تھا وسیع میز پر سفید اُجلی چادریں پڑی تھیں اور ہر میز پر چھ چھ کرسیاں لگی تھیں کھانے کے انتظام و انصرام میں عشرت خاں صاحب حاجی بابا طلیف صاحب مولوی قمر علی صاحب ندوی خلیل الرحمٰن خاں بھوپالی (متعلم ندوہ) اور ان کے ساتھی طلبہ نے اپنی مستعدی و خدمت شعاری سے مہمانوں کا دل جیت لیا۔

کھانے کے بعد بیرونی مہمانوں میں سے اکثر حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کی روحانی بابرکت اور پُر از معلومات مجلس سے مستفید ہوئے۔ مشرقی یوپی کے آر۔ ایس۔ ایس کے آرگنائزر شری شیو پرشاد جی بھی مولانا کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے اور ان کے اخلاص و محبت اور اپنائیت سے بیحد متاثر ہوئے۔

سنیچر کے دن جب کہ تمام دفاتر کھلے رہتے ہیں اور تاجر اپنی تجارت میں مشغول شہر سے ندوہ کا خاصا فاصلہ اور تیز دھوپ اس کا اثر دن کی نشستوں پر پڑنا لازمی تھا تاہم بیرونی مہمان اور لکھنؤ کے شہریوں کی بڑی تعداد نے دن کی نشستوں میں بھی پورے جوش و جذبہ کے ساتھ حصہ لیا۔

صبح کی نشست کا آغاز مولانا عارف صاحب استاذ دارالعلوم ندوہ کی تقریر سے ہوا۔ مولانا نے فرمایا:۔

انسان کو آج سب کچھ یاد ہے مگر وہ اپنی حقیقت سے ناآشنا ہے حقیقت صرف یہ ہے کہ میں انسان ہوں حضورؐ نے فرمایا تھا اگر انسان ہونے کے ناطے مجھے انسانوں کے مسائل طے کرنے کے لئے بلایا جائے تو میں بخوشی آؤں گا مولانا نے کہا میری نظر میں اس تحریک کا مقصد بھی یہی ہے۔ یہ کنونشن وغیرہ تو محض ایک تعارف کی حیثیت رکھتے ہیں اصل کام تو سال بھر آپ کو کرنا ہوتا ہے، آج کی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ انسانیت کا مسئلہ ہے اور آج ہم اسی سے غفلت برت رہے ہیں یہ ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے اخلاق کے ذریعہ انسانیت کا پیغام دیں۔

یہ نشست مختلف مندوبین کی تقریروں کے لئے مخصوص تھی۔

مولانا عارف صاحب کے بعد شری سیتا رام دویدی ایڈوکیٹ کو تقریر کی دعوت دی گئی، انہوں نے فرمایا اس تحریک کا میدان بہت وسیع ہے اس کے لئے جتنا کام جتنی کوشش کیجئے کم ہے اس تحریک کے ذریعہ انسانیت کا پیغام صرف لکھنؤ والوں کے لئے خاص نہیں بلکہ اس تحریک کے ذریعہ اس کے بانی کا خطاب ساری دنیا کے انسانوں سے ہے اگر ہمارے دماغ میں انسانیت کا ایک بھی اصول آ جائے تو پھر اسکے ذریعہ حیوانیت و بربریت کو دور کیا جا سکتا ہے۔

دویدی جی کی تقریر اس بات کی علامت تھی کہ انسان بیدار ہو رہا ہے فاصلے گھٹ رہے ہیں اور قافلۂ انسانیت کے رواں دواں ہونے کے لئے راہیں ہموار ہو رہی ہیں۔

دویدی جی کی تقریر کے بعد انجمن کالج بھٹکل (کرناٹک) کے شعبۂ انگریزی کے پروفیسر رشید کوثر فاروقی صاحب ڈائس پر آئے اور اپنی پرجوش و بلیغ تقریر میں فرمایا۔

"اس تحریک کا قافلہ جس طرف رواں دواں ہے اس کے داعی کے اندر دور بینی، عاقبت اندیشی پائی جاتی ہے پروفیسر صاحب نے بتلایا کہ اس تحریک کے لئے رابطہ کی بڑی ضرورت اور اہمیت ہے۔ یہ بات حلقۂ پیام انسانیت کے وابستگان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ رابطہ کہاں ہو خطابت کہاں ہو رابطہ کا میدان بہت وسیع ہے اس کا سرچشمہ فطرت انسانی ہے اس تحریک کے سامنے وسیع میدان ہے ہندو مسلم کو سمجھنے کی کوشش کرے"۔

تحریک پیام انسانیت ایک ایسی تحریک ہے جو حکمت و احتیاط چاہتی ہے اس کے اسٹیج سے بولنے والوں کو اس کا لحاظ کرنا چاہئے اور تول تول کر بولنا چاہئے، اس کا لحاظ تمام مقررین الحمد للہ کرتے رہے اس میں سنبھل کے دو نوجوان علماء مولانا عمران صاحب و مولانا عبد الستار صاحب بھی تھے جنھوں نے بڑی خوش اسلوبی سے اس موضوع پر تقریر کی۔

تحریک پیام انسانیت کے داعیٔ اول مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کا اس تحریک سے جذباتی تعلق کا یہ عالم تھا کہ موصوف اپنی صحت کی خرابی، کثرت مشاغل اور دو روز بعد ہونے والے سفر امریکہ کی مصروفیت کے باوجود ہر نشست میں بنفس نفیس شرکت فرماتے۔ مقررین کی تقریریں غور و توجہ سے سنتے۔ آج مولانا کو رفقاء پیام انسانیت کے سامنے ہدایتی تقریر کرنی تھی لیکن موصوف نے اپنی تقریر سے پہلے اناؤنسر سے جناب پاریکھ صاحب کو تقریر کی دعوت دینے کے لئے فرمایا جناب عبد الکریم صاحب پاریکھ نے اپنے مخصوص انداز میں ایک مختصر تقریر کی اور فرمایا:۔

اس ملک کے باشندے محبت و آشتی کے بھوکے ہیں، جب کبھی اس ملک میں محبت و آشتی کا پیغام دیا گیا تو لوگوں نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ پاریکھ صاحب نے پیام انسانیت سے وابستہ افراد سے کہا کہ اس تحریک کے لئے محبت و خلوص، جذبۂ ہمدردی بہت ضروری ہے انہی چیزوں سے یہ تحریک آگے بڑھے گی اور انسانیت کی خدمت انجام دے گی۔

پیام انسانیت کے اس کنونشن کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ پروگرام ٹھیک وقت پر شروع ہوتا اور وقت مقررہ پر اختتام کو پہنچتا۔ ۱۱½ بج چکے ہیں مولانا ہدایتی خطاب کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

پیام انسانیت کے کارکن اور وابستہ افراد کے لئے تین چیزیں نہایت ضروری ہیں۔

(۱) فہم سلیم (Common Sense) اس کے بغیر دنیا کوئی کام دنیا میں نہیں ہو سکتا

(۲) خلوص۔ یہ جذبہ ہر کمزور کو طاقتور بنا دیتا ہے، کارکنوں کے لئے یہ بہت ضروری ہے

(۳) محنت و تجربہ۔ یہ تین چیزیں جس شخص میں بھی پائی جائیں گی وہ ترقی کرے گا اور کارآمد ثابت ہوگا۔

لکھنؤ میں تین چار دن سے موسم میں اچانک تبدیلی آ گئی تھی دھوپ کی تمازت بے پناہ گرمی، بارہ بجے جب نشست ختم ہو جاتی تو ڈائننگ ہال تک جانا دشوار معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود حضرت مولانا اپنے مہمانوں کے ساتھ ڈائننگ ہال تشریف لے جاتے اور اجتماعی کھانے میں شرکت کرتے۔

۱۲ بجے سے ۳ بجے تک کھانا قیلولہ نماز کا وقفہ رہتا اور تین بجے دوسری نشست شروع ہوتی۔ دوپہر کی نشست میں الہ آباد کے ڈاکٹر اشتیاقی صاحب، بریلی کے شری داسودر جین، لکھنؤ کے محمد تقی فاروقی صاحب اور ڈی۔ اے۔ وی کالج کے پروفیسر شری جی ایس سنگھ صاحب نے خطاب کیا اور فرمایا کہ:۔

اگر کسی میں نفس پرستی موجود ہے تو وہ صرف اپنے جسم اپنی راحت و آرام کے لئے کوشاں رہتا ہے اور اگر کسی میں خدا پرستی موجود ہے تو پھر اپنے جسم کی فکر میں کرتا اپنی آرام و راحت کے لئے کوشاں نہیں رہتا بلکہ وہ انسانیت کی خدمت کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ خدمت خلق سب سے بڑی عبادت ہے۔ جو چیز انسانیت پر اثر انداز ہوتی ہے وہ ہے محبت اور خدمت۔

آج دنیا میں اخلاق جس طرح پامال ہو رہے ہیں انسان اخلاق سے دور ہو رہا ہے ان سب چیزوں کو دیکھ کر اور متاثر ہو کر جناب نجم الدین صاحب شکیب ندوی ایم۔ اے نے ایک طویل اور پرمغز مقالہ پڑھا جس کا عنوان تھا "اخلاقی بنیادوں کی تلاش"

آج ۲۱ مئی کی شام کی نشست میں مولانا کا عمومی خطاب بعنوان "ایک قیدی کا پیام جیل کے ساتھیوں کے نام" ہونا تھا یہ عنوان کسی پہیلی سے کم نہ تھا جس کو بوجھنے کے لئے لوگ جوق در جوق لوگ پہونچ گئے

جلسہ شروع ہونے میں ابھی وقت باقی ہے مگر کتب خانہ کا وسیع اور کشادہ ہال ابھی سے اپنی تنگ دامنی کا شکوہ کرنے لگا۔ ندوہ میں کے علاوہ شہری زندگی کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ذوق و شوق سے جلسہ گاہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے ان شرکاء میں ڈاکٹرس بھی ہیں، انجینئرس بھی ہیں اور وکلاء، صحافی، ادباء، شعراء، مصنفین، یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ دینی مدارس کے علماء اور تجار غرض زندگی کے تمام طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود تھے۔ اس موقع پر اور تقریباً تمام نشستوں میں ندوہ کے طلبہ نے بڑے ایثار سے کام لیا انہوں نے اپنی اپنی سیٹوں کو مہمانوں کے لئے چھوڑ دیا۔

یہ دیکھئے شام کے ساڑھے سات بج گئے اب تیسری نشست شروع ہونے والی ہے، ٹھیک وقت پر حضرت مولانا پہونچ گئے اور اپنی تقریر شروع کر دی مجمع ہمہ تن گوش تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ تمام لوگ مولانا کے ایک ایک لفظ کو لینا چاہتے ہوں مولانا نے نہایت تفصیل سے سورۂ یوسف کی روشنی میں اپنا پیام لوگوں تک پہونچایا مولانا نے فرمایا:۔

یہ عنوان تو اچھا خاصا پہیلی بن گیا اس کو اب میں بوجھتا ہوں، قیدی سے میری مراد حضرت یوسفؑ اور ساتھیوں سے مراد ان کے جیل کے ساتھی ہیں جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ پھر مولانا نے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر انسانیت کے ایسے ایسے زرّیں اصول بیان فرمائے کہ شائد ہی کوئی ایسا ہو جس میں اپنی اصلاح کا جذبہ نہ پیدا ہوا ہو۔

تقریر ختم ہونے کے بعد مجمع نئے عزم و ارادہ کے ساتھ اٹھ رہا تھا ہر شخص کے چہرے پر انسانیت کی محبت و خدمت کا عزم جھلک رہا تھا۔

آخر کار اس کنونشن کی آخری نشست آ ہی گئی، جس کنونشن کے لئے کئی دن سے راہ دیکھ رہے تھے وہ آیا اور آج ۲۲ر مئی کو اسکا آخری سشن ہونے جا رہا ہے۔

آج کے مقررین میں پروفیسر آفاق احمد صاحب (جامعہ ملیہ دہلی) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (لکھنؤ) کانپور زرعی یونیورسٹی کے وائس چانسلر تری کے۔ این۔ کول صاحب ناگپور کے مولانا عبد الکریم صاحب پاریکھ اور مولانا اسحٰق جلیس ندوی کنوینر حلقۂ پیام انسانیت، اور جناب صباح الدین عبد الرحمٰن (دار المصنفین اعظم گڑھ) شامل تھے۔ ندوی برادری کی بزرگ شخصیت مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء و مشیر علمی دار المصنفین اعظم گڑھ اس سہ روزہ کنونشن کی ہر نشست میں صدر نشین رہے۔

اس کنونشن کی اختتامی نشست میں اختتامی تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے فرمایا۔

اب آپ جا رہے ہیں تو اپنے معاشرہ میں، اپنی سوسائٹی میں اپنے اخلاق کے ذریعہ اچھے برتاؤ کے ذریعہ اس تحریک کو عملی شکل دیجئے۔

اور اس کے ساتھ ہی یہ کنونشن جو بہت مختصر نوٹس پر بلایا گیا تھا، علماء دانشوروں اور عوام نے ان کا جس طرح استقبال کیا وہ ہمارے لئے نہایت ہمت افزا ہے اتنے گرم موسم میں دور دراز کے علاقوں سے مختلف صعوبتوں کو جھیل کر جو نمائندے آئے وہ ہمارے لئے قابل قدر ہیں اس سے ہمارے حوصلے بلند ہو گئے۔ خدا کرے یہ تحریک خوب پھیلے اور زیادہ سے زیادہ نافع ثابت ہو۔

اس سہ روزہ کنونشن کا اختتام حضرت مولانا مدظلہ کی پُر تاثیر دعا پر ہوا۔

تعمیرِ حیات کا

آئندہ شمارہ

”حلقۂ پیامِ انسانیت کنونشن نمبر“

ہوگا۔ جس میں ۲۰، ۲۱، ۲۲ر مئی ۱۹۷۷ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں منعقدہ کل ہند ”حلقۂ پیام انسانیت“ کے سہ روزہ کنونشن کی مفصل روداد، خطبۂ افتتاحیہ، تقاریر، مقالات، انسانی اور اخلاقی اقدار کے فروغ و نشو و نما میں مفید منظوم کلام، تاریخ انسانی کی محسن شخصیتوں کا تذکرہ اور اس تحریک کے لائحۂ عمل اور طریقۂ کار پر مشتمل رہنما مضامین ہونگے۔ آج ہی اپنی کاپی محفوظ کر لیں۔

(منیجر تعمیرِ حیات)

منصور نعمانی ندوی بھوپالی

سیّد طاہر حسن بنگلوری ندوی مرحوم

ایک عزیز دوست، نوجوان سال ندوی کی وفات حسرت آیات

بھوپال کا روح پرور اجتماع جاری تھا، ایمان و یقین کی فضائیں، توحید کے نعرے، قرآن کے چرچے، جاری تھے کہ دہلی کے کچھ ندوی احباب بھی نظر پڑے، علیک سلیک کے بعد جو ندوی دہلی سے اجتماع میں نہ آسکے تھے ان کی خیریت دریافت ہی کر رہا تھا کہ ہمدم دیرینہ، ہم پیالہ و نوالہ دوست طاہر حسن کا پوچھا۔ بتانے والے نے بتایا کہ ابھی ایک ماہ قبل وہ اللہ کو پیارے ہو گئے، اس خبر صاعقہ اثر نے ہوش و حواس کو اڑا دیا، خبر پر یقین نہ آیا لیکن جب کئی احباب نے اس کی تصدیق کی تو ماننا ہی پڑا، ۱۹۶۲ء میں جب میں بھوپال سے ندوہ گیا تو ایک نوآوردہ طالب علم بھی نظر پڑے جو سب سے الگ تھلگ بیٹھے بیٹھے تھے مجھے ان کی تنہائی و بے بسی پر رحم آیا ملاقات و بات چیت سے معلوم ہوا کہ بنگلور سے دو تین سال قبل آئے ہیں، یہاں سے ہمارے تعلق کی ابتدا ہوئی، پھر درجہ ساتھ آتے جاتے، وہ زیریں شبلی ہوسٹل میں تھے اور ہم رحمانی ہوسٹل میں اوپری حصہ میں لیکن اکثر وقت انہی کے ساتھ گزرتا مذاکرہ ساتھ کرتے، بازار ساتھ جاتے عصر کے بعد روز ڈالی گنج چائے کی خاطر جاتے، عزیز طاہر مرحوم اعلیٰ ذوق کا مالک تھا۔ خدا کا دیا بہت کچھ ان کے پاس تھا۔ طبیعت بھی بہت سنجیدہ پائی تھی۔ زیادہ مذاق ہنسی پسند نہ کرتے، نفاست حد درجہ، درجہ میں بڑے حافظ، دماغ بھی خدا نے خوب دیا تھا، ایک مرتبہ جو بات سُن لیتے ازبر ہو جاتی، درجہ میں ہمیشہ اول آتے اس لئے اساتذہ بھی بڑی محبت کرتے۔

عربی بولچال، عربی کی تحریر کی بھی خوب مشق تھی، ”النادی العربی“ میں اکثر وہ شریک ہوتے اور اساتذہ سے داد تحسین لیتے، ۶ سال رفاقت رہی، ۱۹۶۷ء میں فراغت کے بعد میں بھوپال چلا آیا، خط و کتابت ہوتی رہی۔ ۱۹۷۵ء میں اجلاس کے موقع پر ندوہ میں ان سے ملاقات ہوئی لکھنؤ یونیورسٹی میں تعلیمی سلسلہ جاری تھا۔ اور بہترین خطاط بھی تھے قومی آواز میں کتابت کرتے، اور کہتے کہ والدین پر اب بار ڈالنا ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے طاہر کا مسکراتا ہنستا چہرہ غمگین و فکر مند نظر آتا، وہ دن رات محنت کرتے، بیچ میں سلسلۂ مراسلت ترک ہو گیا، اکتوبر ۱۹۷۶ء میں لکھنؤ جانا ہوا تو وہاں جا کر معلوم ہوا کہ دہلی چلے گئے اور وہاں عراق کے سفارت خانے میں کام کر رہے ہیں۔ اس خبر سے خوشی ہوئی تھی لیکن یہ خبر دیرپا ثابت نہ ہو سکی اور دسمبر ۱۹۷۶ء میں ”دیار غیر“ دہلی میں آنتوں کے شدید درد میں انتقال کر گئے۔

افسوس کہ ایک عزیز دوست، ایک جاں نثار ساتھی، دوستوں کے لئے بچھ جانے والا، ان کے لئے ہر قربانی دینے والا ساتھی ہم سے بچھڑ گیا، ہمارے ساتھی طلبہ کے لئے وہ ایک مثالی دوست تھا۔ ہر دوست طاہر کا دم بھرتا اور اس کی اعلیٰ صلاحیتوں کا معترف تھا اور یہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس قدر جلد ہمارا ساتھ چھوڑ دے گا۔ موت ایک ابدی حقیقت ہے وہ سب کو آتی ہے لیکن بعض ناوقت حادثے ایسے رونما ہو جاتے ہیں جو حیات و کائنات پر مصائب کی بدلی بن جاتے ہیں۔

اس تازہ حادثہ نے دل و دماغ کو ماؤف کر کے رکھ دیا ہے۔ خدا کی مشیت یہی تھی اس پر صبر کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں، خدا ہم کو ہمارے ساتھی طلبہ کو اور طاہر حسن کے والدین کو اس جواں مرگی پر صبر عطا فرمائے۔ اور طاہر کی روح کو ابدی سکون نصیب فرمائے۔ انتقال کے وقت عمر ۲۸ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔

ہند میں اسلامی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے حضرات کے لئے خوش خبری!

ہندی ماہنامہ **مارگ دیپ** رام پور کا

پہلا عظیم الشان خاص نمبر

خوبصورت ڈائجسٹ کے روپ میں! جو انشاء اللہ جون ۷۷ء کے آخری ہفتہ میں منظر عام پر آ رہا ہے۔ قیمت خاص نمبر تین روپئے مگر ۱۵/- سالانہ زر تعاون ارسال کرنے والوں کو بالکل مفت۔ ایجنٹ صاحبان کے لئے بھی خصوصی رعایت۔ اپنے آرڈر سے فوراً مطلع کریں۔

(پتہ: منیجر مارگ دیپ، کے۔ بی روڈ، رام پور۔ (یو۔پی) ۲۴۴۹۰۱)

آفتابِ رسالتؐ

یہ مضمون لکھنؤ یونیورسٹی کے جلسۂ سیرت کے موقع پر انگریزی میں پڑھا گیا

از: جناب عبد السمیع صاحب صدیقی۔ ایم۔ اے

حضرات اساتذہ اور یونیورسٹی کے نوجوان اسکالرس!

ذرا اپنے تصور کو چودہ سو سال قبل لے جائیے اور دیکھئے کہ اس وقت دنیا کی کیا حالت تھی۔ انسانوں کے درمیان روابط کس قدر کم تھے۔ علوم کے میدان میں کس قدر کم علمی تھی۔ انسان تنگ نظریات میں اُلجھا ہوا تھا۔ ملکوں کے درمیان وسائل حد سے زیادہ محدود تھے اور انسان توہمات کا شکار تھا۔ جہالت کی تاریکی میں شمعِ علم بجھی ہوئی تھی، انسان کے پست اخلاق جن سے آج ہمیں نفرت ہے قانونِ حیات تھے۔ زاہد اور متقی ہونے کے لئے صرف ماوراء فطرت یا غیر فطری ہونا ضروری تھا یعنی ”زین لهم سوء اعمالهم“ (برائی نے ان کے اعمالوں کو پسندیدہ بنا دیا) کے بنے ہوئے تھے۔

اس دور میں دنیا کا ایک خطہ تھا جو تاریکی سے گھرا ہوا تھا۔ یعنی عرب ”قرنوں سے تھا جس جہل کا چھایا“، اس کے ارد گرد کے ممالک مقابلۃً ”تہذیب و تمدن کے مالک تھے مثلاً“ ایران۔ روم اور مصر وغیرہ۔ ان میں علمی اور تہذیبی روشنی کافی تھی۔ لیکن عرب کا ریگزار خطہ ان ممالک کے اثرات سے بالکل بے اثر رہا۔ اس میں شک نہیں کہ عرب سوداگر ان ممالک کو بغرض تجارت جایا کرتے تھے مگر کبھی اس بات کی کوشش نہ کی کہ علم کی روشنی سے بہرہ یاب ہوں۔ وہاں نہ مدرسے تھے اور نہ کتب خانے۔ تعلیم یافتہ حضرات انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے لیکن عربی زبان کا ذخیرہ وسیع تھا۔ ترقی یافتہ زبان تھی۔ بلند اور وسیع خیالات کی حامل تھی۔ بلند سے بلند خیالات کو اختصار کے ساتھ بہتر اسلوب میں پیش کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ساری قوم توہم پرستی میں مبتلا تھی۔ زندگی تہذیبی تراش خراش سے عاری تھی۔ لوگوں کے عادات وحشیانہ تھے نہ کوئی حکومت تھی اور نہ قوانین حکومت ہر قبیلہ آزاد تھا اور اپنے خود ساختہ قوانین پر چلتا تھا۔ قوی کو یہ حاصل تھا کہ کمزور پر ظلم کرے یا اُسے ختم کر دے۔ قبیلے کے ایک فرد کو یہ حق حاصل تھا کہ دوسرے قبیلہ کے کسی فرد کو قتل کر دے۔ نیز اس کے مال و دولت پر غاصبانہ قبضہ کر لے۔ یعنی ظهر الفساد في البر والبحر (انسانوں کے ہاتھوں خشکی اور تری پر فساد رونما ہوا) عام تھا۔ ان لوگوں کا مذہب توہم پرستی پر مبنی تھا۔ ان کے دیوتاؤں کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ ازمنۂ سابقہ میں جو رسول آئے ان سے بے خبر تھے۔ صرف بنی اسرائیل کے متعلق یہودیوں اور نصرانیوں سے کچھ قصے سُن رکھے تھے جو مائی تھالوجی۔ (Mythology) بن کر رہ گئے تھے جنکو حقیقت سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔

ایسے تاریک دور میں اسی خطۂ ارض پر ایک بچہ پیدا ہوا (۵۷۰ء) جو پیدائش سے پہلے شفقتِ پدری سے محروم ہو گیا تھا اور بچپن ہی میں آغوشِ مادر سے جدا ہو گیا۔ یعنی دُرِّ یتیم تھا۔ جب لڑکپن کا زمانہ آیا تو بدوی لڑکوں کے ساتھ بکریاں چراتا تھا جب بالغ ہوا تو تجارت کو اپنا مشغلہ بنایا۔ مگر صحبت اَن پڑھ اور غیر مہذب عربوں کی ملی۔ خود بھی پڑھنے لکھنے سے محروم رہا ایسی صحبت کبھی نہ ملی جسے تعلیمیافتہ کی صحبت کہی جا سکتی تھی صرف چند سفر کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ یہ سفر بھی شام تک محدود رہے مقصد صرف تجارت کرنا تھا۔

ایک مستشرق یہ رائے زنی کرتا ہے کہ ان اسفار کے دوران پیغمبرِ اسلام نے معلومات حاصل کئے۔ یہ سوء ظن کے سوا کچھ نہیں۔ غیر فطری ہے اور غیر منصفانہ بھی۔ ذرا غور فرمائیں کس طرح ایک غیر معروف شخص اسقدر عظیم، اسقدر اپنے گرد و پیش کے حالات سے جدا شخصیت کا مالک بن گیا جیسا کہ رسول مقبولؐ کی شخصیت اُبھر کر آفتاب کی طرح چمکی۔ کیا یہ صرف ان اسفار کے بدولت حاصل ہوا اور سب کچھ عرب سے باہر ملا! اور پھر وہ ایسی بڑائی اور عظمت کا مالک ہوا جو عرب ہی میں نہیں چمکا بلکہ ساری دنیا کے لئے رہنما بنا۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ ایک امی لقب نے دنیا کو ایک مکمل مذہب۔ ایک کامل نظامِ حیات اور اصولِ اخلاق سے نوازا اور ایسے تہذیب و تمدن سے آشنا کیا جس سے دنیا عاری تھی اور نا آشنا تھی اور علم کے رازِ سربستہ کو یوں کھولا۔ ”بل هو آيات بينات في صدور الذين اوتوا العلم“ (بلکہ یہ ان لوگوں کے دلوں میں کھلی نشانیاں ہیں جنھیں علم دیا گیا ہے)۔

اس وقت کے عرب پر نظر ڈالیں، اور اس ذات گرامی کو دیکھیں تو یقیناً ہر ذی ہوش اس بات کو تسلیم کرے گا کہ اس کی ہستی اپنے ماحول سے مختلف تھی۔ عادات و اخلاق میں اپنی قوم سے بالکل نرالی تھی۔ جس فضا میں بچپن گذرا تھا۔ جن لوگوں میں شباب کے ایام کاٹے تھے اور جس قبیلہ میں رہ کر معاملات کئے تھے اور روابط قائم کئے تھے۔ ان سب سے مختلف ایک ایسی ہستی اُبھری جو منجانب اللہ تھی۔ جھوٹ سے نفرت تھی بد اخلاقی سے بیزاری۔ کبھی گفتگو تلخ آمیز نہ تھی۔ کلام نرم زبان شیریں تھی۔ لین دین اور امانت میں صفائی اور دیانتداری تھی۔ ساری قوم اس ہستی کو ”امین“ کے لقب سے یاد کرتی تھی۔ آنکھیں شرمیلی عمل پاکیزہ سخت گیری چھو کر بھی نہ گئی ہو اور یتیموں کی خبر گیری کی عادت تھی مہمان نوازی میں کوئی قید نہ تھی دوست و دشمن سبھی کی میزبانی کرتی، جھگڑا اور فساد سے دور رہتی بلکہ قبیلوں کے درمیان جنگ واقع ہوتی تو مصالحت کی کوشش کرتی۔ زندگی ۴۰ سال تک بُت پرستوں میں اور ان گنت دیوتاؤں کے پجاریوں میں گذری لیکن آپ اسقدر صاف باطن اور صاف فطری ذہن کے مالک تھے کہ ہمیشہ وحدتِ خداوندی کے قائل رہے آپ کے سامنے زمین اور آسمان کی کوئی شے قابلِ عبادت نہ تھی۔ حقیقت میں آپ کی ذات اس تاریک ماحول میں ایک روشنی کی کرن تھی جو انسانی زندگی کو پُرنور بنانے والی تھی۔ ۴۰ سال تک ایسی شاندار زندگی گذری جو تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

جب عمر ۴۰ سال ہونے کو ہوئی آپ میں ایک انقلاب انگیز کیفیت پیدا ہوئی۔ ایک بےچینی کی حالت طاری ہوئی ماحول سے بیزار ہو کر۔ لوگوں میں اخلاقی گراوٹ دیکھ کر افسردگی پیدا ہوئی۔ بس آپ غار حرا میں تشریف لے جاتے تاکہ بےچین روح کو اطمینان حاصل ہو اور قلب میں سکون پیدا ہو۔ دماغ کو روشنی ملے جس سے مضطرب فطرت کو سکون حاصل ہو۔ آپ کو ایسی روشنی کی تلاش تھی جس سے انسانیت کو ہدایت ملے اور آپ ”سراج منیر“ کی حقیقی شکل بن کر لوگوں کو صراط مستقیم دکھلائیں اور یوں سمجھائیں۔ ”ان الله هو ربي وربكم فاعبدوه هذا صراط مستقيم“ لوگ حق پرستی سیکھیں صاف اور ستھری زندگی گذاریں۔

غارِ حرا میں وحی من اللہ کی آمد شروع ہوئی ”اقرأ“ کے ذریعہ ”علم لدنی“ سے نوازا گیا۔ حکم الٰہی لے کر غار حرا سے باہر تشریف لائے ؎

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

بُت پرستی جو عام تھی اُسے ترک کرنے کو فرمایا اور یوں فرمایا، زمین اور آسمان، سورج اور چاند، ستارے اور سیارے غرض کہ کائنات کی ہر شے ایک ہی خالق کی بنائی ہوئی ہے

ارشاد باری ہوتا ہے:

”قل ادعوا الذين زعمتم من دون الله لا يملكون مثقال ذرة في السموات ولا في الأرض وما لهم فيهما من شرك وما له منهم من ظهير“

(کہدیں، ان خداؤں کو لے آئیں جن کا دعویٰ کرتے ہیں سوا اللہ کے ان کو کوئی قدرت حاصل نہیں ہے اور ذرہ برابر وزن بھی نہیں ہے آسمانوں اور زمین پر نہ ان میں اُن کا کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں کوئی خدا کا مددگار ہے)۔

آپ فرماتے انسان کی شرافت خشیتِ الٰہی اور تقویٰ میں ہے۔ نیکی اور خدمتِ خلق میں ہے۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کے ساتھ سلوک کرنے میں ہے۔

جب وحی الٰہی کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ وحدانیت پر زور دیا گیا تو مکہ والوں کی تیوریاں پھر گئیں۔ جہالت اسقدر غالب آئی کہ دشمنی پر آمادہ ہو گئے۔ گالی نوازی سے کام لینا شروع کیا۔ پتھر برسائے، جسمانی اذیت پہونچائی۔ دشمنی کی حد پہونچی کہ قتل کرنے کی ٹھانی۔ یہ سب تیرہ برس تک ہوتا رہا آخر اللہ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کی۔ مدینہ منورہ پہونچے وہاں بھی سکون سے نہ رہنے دیا سازشیں کرتے رہے مدینہ پر حملہ آور ہوتے رہے ایسا نظر آنے لگا کہ اسلام ختم ہو جائے گا خدائے واحد کی عبادت باقی نہ رہے گی مدینہ کی یہودی آبادی بھی مکہ والوں کی سازش میں شریک ہو گئی بیرونی اور اندرونی خطرہ کا سامنا ہوا مگر رسالت کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ آپ نے جس مشن کا بیڑا اٹھایا تھا اس میں ذرا بھی تذبذب پیدا نہ ہوا۔

حضرات! ذرا غور فرمائیں آخر قوم پھر

خدا کی کیوں مخالفت ہوگئی کیا کوئی عورت کا معاملہ تھا؟ کیا کوئی بدسلوکی کی گئی تھی؟ یا کسی ملکیت کا جھگڑا تھا یا کسی کے قتل کرنے پر انتقام کا جذبہ کار فرما تھا؟ یہ سب کچھ نہ تھا۔ ساری دشمنی اس بات پر تھی کہ آپ خدائے قدوس کی عبادت کی طرف بلاتے تھے تقویٰ اور سچائی کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ بت پرستی سے منع فرماتے تھے ساری دشمنی اسی مخالفت پر مبنی تھی۔ یہ بھی قابل غور بات ہے۔ آپ نے یہ ساری مصیبتیں اور دشواریوں کو کیوں خوش آمدید کہا ساری قوم تیار تھی کہ آپ کے قدموں تلے دولت لاکر رکھ دے۔ اپنا حکمراں بنا دے۔ غرضکہ ہر وہ چیز جس کی خواہش کی جائے وہ آپ کے لئے مہیا کر دی جائے۔ اس کے بدلے صرف یہ خواہش تھی کہ آپ اپنی تعلیم بند کردیں اور تبلیغ کرنا چھوڑ دیں۔ آپ نے اللہ کے پیغام کو نہ چھوڑا — جسمانی اور ذہنی اذیتوں کو خوش آمدید کہا اور ۲۳ سال تک جھیلتے رہے۔ کیا کسی کے ذہن میں اس سے بلند شخصیت آسکتی ہے جو سراسر نیکی کی مثال ہو۔ استقلال اور پاکیزہ زندگی کی حامل ہو۔ تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ ساری مصیبتیں اس لئے جھیلی گئیں کہ دوسروں کی زندگی سنورے حق پرستی اور نیکی کی زندگی بسر ہو عزم وثبات اپنے مشن پر یقین اور اللہ پر ایمان اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کی رسالت من اللہ تھی۔ آپ کو اللہ کی نصرت حاصل تھی۔

اب تک اس انقلاب کا ذکر تھا جو آپ کے ذات کے اندر آیا۔ زندگی کا دوسرا پہلو اور بھی عجیب ہے۔ ۴۰ سال تک مثل عام عربوں کی طرح زندگی گذری۔ آپ کو کسی نے کبھی جادو بیانی سے کام لیتے نہیں دیکھا، دھواں دھار تقریر کرتے نہ سُنا۔ نہ کسی نے فلسفہ کی گتھیاں سلجھاتے پایا۔ نہ اخلاقیات۔ عمرانیات ایسے علوم پر گفتگو کرتے پایا۔ نہ اقتصادیات کے رموز بتلاتے سُنا غرض یہ کہ قانون حیات سے کوئی سروکار نہ تھا نہ کسی نے آپ کو جنگ میں شرکت کرتے پایا نہ جنرل کی حیثیت سے لشکر اور سپاہ کی قیادت کرتے دیکھا۔ آپ کو کسی نے ایسی گفتگو کرتے بھی نہ پایا جس میں خدا کے وجود یا فرشتوں کے وجود کا ذکر ہو۔ ادیان سابقہ کتب مقدسہ کی معلومات ہوں یا رسولوں کا تذکرہ ہو۔ حشر و نشر یا حیات بعد الموت کا ذکر ہو، جنت و دوزخ پر بحث ہو۔ لوگ آپ کو ایک شریف انسان گردانتے تھے جس کا دامن سارے ملوثات سے پاک تھا۔

لیکن جب غار کی تنہائی سے نکل کر باہر تشریف لائے ایک انقلاب عظیم کے حامل تھے نبوت اور رسالت پر فائز تھے اور انقلاب سے پُر ایسے پیغام کو سُنایا جو لوگوں کے لئے عجیب تھا۔ جب قرآن کا پیغام کانوں میں پڑا تو سارا عرب حیرت زدہ نظر آیا۔ پیغام بھی ایسا دلکش تھا کہ دل خود بخود کھنچتا۔ سخت سے سخت دشمن بھی سنتا تو اس کا دل متاثر ہوتا اور ڈرتا کہ کہیں دل میں پیوست نہ ہو جائے۔ فصاحت اور بلاغت کا اعلیٰ نمونہ تھا الفاظ اور فقروں کی ایسی بندش تھی جو مقناطیس کی طرح دل کو کھینچتی تھی۔ ایسا کلام کسی عرب مقرر نے یا شاعر نے کبھی نہ کہا اور نہ سُنا تھا۔ بلکہ یہ کھلا ہوا چیلنج تھا کہ اگر ایسی زبان اور عبارت پیش کر سکتے ہو تو پیش کرو۔ گر سب کو اپنے عجز کا اعتراف تھا آجتک اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دے سکا کلام خداوندی کا یہ دعویٰ ہے:۔

" فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم من دون الله ان كنتم صٰدقين " (۲/۲۳)

(پس ایک سورہ اس کے مثل لے آؤ اور اپنے حمایتوں کو بھی بلا لو سوا اللہ کے اگر سچے ہو)۔

ایسے پیغام سے عرب والوں کے کان آشنا نہ تھے۔

رسالت پر فائز ہونے کے بعد آپ کی شخصیت ایک نادر مفکر کی نکھر ابھری ایک مصلح۔ ایک قانون ساز ایک منصف اور ایک سپہ سالار کی صلاحیت رکھنے والی شخصیت بنی۔ عرب کے ریگ زار کا یہ "اُمّی" عقل و دانائی کی باتیں کرتا الٰہیات کے مشکل مسائل کو حل کرتا فلسفۂ حیات پر رائے دیتا نیز تہذیب و تمدن کے نرالے اصول بتلاتا تھا۔ مختلف علوم پر روشنی ڈالی۔ تجارت کے اصول بتلائے بین اقوامی قوانین مرتب کئے۔ ان سب باتوں کو ایسی خوبی اور گہرائی فکر سے پیش کیا کہ بڑے بڑے عالم مدت تک غور و خوض کرکے اس کے مفہوم سے واقف ہوئے اور زندگی کے تجربوں پر پرکھا مکمل پایا۔ آپ نے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا درس دیا۔

اس خاموش اور صلح جو ہستی نے کبھی ہاتھ میں تلوار نہ لی تھی، نہ جنگ کے قوانین سے واقف تھا۔ لیکن سپاہیانہ شجاعت کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کی کہ دنیا ششدر رہ گئی۔ متعدد جنگوں میں شرکت کی۔ فتحمندی حاصل ہوئی اور پیروان مخلص میں ایسی شجاعت کی اسپرٹ بھر دی کہ مختصر سی مدت میں بڑی سے بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا یعنی قرآن کی یہ سچائی ظہور میں آئی۔

" فسوف يأتي الله بقوم يحبهم ويحبونه اذلة على المؤمنين۔ اعزة على الكٰفرين۔ يجاهدون في سبيل الله ولا يخافون لومة لائم۔

(جلد ہی خدا ایسی قوم کو پیدا کرے گا جس سے اس کو محبت ہوگی اور ان کو خدا سے محبت ہوگی۔ ایمان والوں کے ساتھ نرم ہوں گے کافروں کے ساتھ سخت۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے طعنہ زنوں سے بے خوف ہوں گے)

ٹی کارلائل یوں رقمطراز ہے (اگرچہ اپنی تحریر میں ناسمجھی کی باتیں بھی لکھی ہیں)۔

" یہ عرب اور ایک فرد محمدؐ اور ایک صدی۔ کیا یہ ایسا نہیں ہے کہ ایک آتشیں چنگاری گری صرف ایک چنگاری ایسے خطۂ ارض پر جو سیاہ بسیط ریگ سے پُر تھا۔ لیکن ذرا دیکھو یہ ریگ زار دھماکہ خیز پاؤڈر ثابت ہوا جو دہلی سے غرناطہ تک پھیل گئی۔ میں نے کہا یہ عظیم شخصیت ایک برق تھی جو آسمان سے کوندی۔ بقیہ دنیا منتظر تھی جیسے کہ ایندھن ہو اور تب ساری دنیا بھی شعلہ فگن ہوئی۔"

جارج برنرڈشا کی رائے:۔

" میں نے اس عجیب شخصیت کا مطالعہ کیا ہے اور میری رائے ہے کہ اُسے مخالف مسیح کہنے کے بجائے "محسن انسانیت" کہنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس شخص کے مانند کسی کو جدید دنیا کی آمریت سپرد کر دی جائے تو وہ ان مسائل کو بڑے خوبی سے حل کرے گا جس کی دنیا کو سخت حاجت ہے یعنی امن اور مسرت مل جائے گی۔"

خدا کے رسولؐ نے ایسے بڑے کام کو طاقت اور ظلم سے انجام نہیں دیا بلکہ اپنی نیک نیتی اور حسن سلوک سے دلوں کو مسخر کیا۔ دلوں کو شرافت سے جیت لیا اور داعیوں کو تلقین سے متاثر کیا آپ کی محبت اور خلق نے سخت دلوں کو نرم بنا دیا سخت دشمن سے دشمن کو بدلہ کا شکار نہیں بنایا۔

جنگ بدر و حنین۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ جو دنیا میں بے نظیر فتح تھی ایسی مثالیں ہیں جن کو دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حقیقت میں آپ رحمۃ للعالمین بناکر مبعوث کئے گئے تھے۔ آپ مجسم رحم و کرم تھے۔

ان کامیابیوں اور کامرانیوں کے باوجود آپ بے نفس تھے اور انسانیت کا درد دل میں بھرا ہوا تھا آپ کی سادہ زندگی یکساں طور پر رہی، اپنا کام خود انجام دے لیتے۔ آپ میں شاہانہ شان و شوکت کی بو بھی نہ تھی نہ رئیسانہ انداز کی زندگی تھی۔ اگر کسی غریب سے ملتے تو معلوم ہوتا کہ اسی کے مثل ایک انسان ہیں۔

اب ذرا تاریخ عالم پر نظر ڈالیں اور پیغمبر کے ذہن کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اسی لقب نے دنیا کو کیا دیا۔ آج چودہ سو برس گذرنے کے بعد بھی فیض جاری ہے اور جدید دنیا کس قدر استفادہ کر رہی ہے۔ آپ کی ذات تھی جس نے فکر و نظر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ مختلف پرستش سے نکال کر عقل کی راہ دکھلائی۔ مخلوقات کی پرستش سے نجات دلائی۔ کلیسائیت کی اندھی تقلید سے دلیل اور عقل کی روشنی پیدا کی۔ حقائق پرکھنے کی عادت پیدا کی۔ مادیت اور لذات دنیوی کے حدود مقرر کئے۔ بو قلمی اور سحر کی بندش کو توڑ کر عقل و دانائی کی راہ دکھلائی۔ تخیل کی دنیا میں رہنے والوں کو حقیقت سے آشنا کیا مادیت میں ایک روحانی امتزاج پیدا کیا۔ اور ایسی سائنسی اسپرٹ پیدا کی جس پر مذہب کا چھاپ دیا اور حقیقی مذہب میں سائنسی انداز پیدا کیا۔

قرآن کریم اس طرح پیش کرتا ہے:۔

" وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بينهما لٰعبين (سورہ ۲۱/۱۶)

(ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو عبث پیدا نہیں کیا۔ اور نہ وہ تمام چیزیں جو انکے درمیان ہیں)۔

اور یوں کہا:۔

" سنريهم آياتنا في الآفاق وفي انفسهم حتى يتبين لهم انه الحق۔ (۴۱/۵۳)

(بہت جلد ہم ان کو نشانیاں دکھلائینگے جو آفاق میں ہیں اور ان کے نفسوں میں ہیں یہاں تک کہ یہ ان پر واضح ہو جائے کہ حقیقت یہی ہے)۔

خدا کی ہستی کے سوا سارے خداؤں کا چراغ گل ہوگیا۔ جڑ سے اکھاڑ دیا اور اچھی طرح واضح کر دیا کہ کوئی مخلوق عبادت اور پرستش کے لائق نہیں۔ رائج اقدار اخلاقیات اور روحانیات کے تصور کو ختم کر دیا یعنی تارک الدنیا ہونا یا جسم کو اذیت دینا سب غیر فطری اقدار قرار دئے گئے معرفت حق کے ان ذرائع کو ہیچ بنایا بلکہ انسانی علو و مرتبت کو واضح فرمایا اور انسان کو اشرف المخلوقات کہا

گیا۔ قرآن کریم میں تخلیق آدم کے متعلق یوں فرمایا گیا ہے:

" قال ربك للملٰئكة انی جاعل فی الارض خليفة۔ (سورہ ۲/۳۰)

(تیرے رب نے ملائکہ سے کہا، "میں ایک نائب زمین پر پیدا کروں گا)۔

پھر آدم کو علم سے نوازا گیا:۔

" وعلم آدم الاسمآء كلها ثم عرضهم على الملٰئكة۔ (۲/۳۱)

(اس نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی پھر فرشتوں کے سامنے رکھا)۔

آدم کے اس علم کے سامنے سارے ملائکہ سربسجود نظر آئے۔

اقبال یوں فرماتے ہیں ؎

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

قرآن کریم یوں گویا ہے:

" ولقد كرمنا بنی آدم وحملنٰهم فی البر والبحر ورزقنٰهم من الطيبٰت وفضلنٰهم على كثير ممن خلقنا تفضيلا۔

(ہم نے اولاد آدم کو معزز بنایا اور خشکی اور تری پر آمد و رفت کے ذرائع دئے پاک اور اچھی چیزیں رزق میں دیں دوسرے مخلوقات پر ہم نے سرفراز بنایا)۔

ایسی تعلیمات سے ایسے خیالات پیدا ہوئے جسے آج ہم آزادی۔ جمہوریت اور مساوات کے نام سے موسوم کرتے ہیں ان سے دوررس نتائج پیدا ہوئے۔ دنیا نے انقلاب انگیز مدارج طے کئے مختلف تحقیقات کے دروازے کھل گئے۔ بندشیں دور ہو گئیں جستجو، تفتیش تحقیق کی راہیں کھل گئیں سفر سیاحت، سائنسی تجربے۔ حکومت کے قوانین غرضکہ ہر شعبہ زندگی میں روشنی ملی۔ ان تمام باتوں پر ذرا غور کیجئے اور سوچئے کہ ان کا سرچشمہ کیا تھا وہ بھی چودہ سو برس پہلے کیا ایک بے پڑھا لکھا انسان یکایک ایسے علوم سے بہرہ مند ہو سکتا ہے، اور اعلیٰ اقدار کا مالک بن سکتا ہے اور اتنی کامرانیاں۔ بلندیاں حاصل ہو سکتی ہیں۔ لیکن دیکھئے پیغمبر اسلام کیا فرماتے ہیں ان سب باتوں کے لئے خود کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور کہتے ہیں:۔

" میں تم ایسا بشر ہوں میرا اپنا کوئی شے نہیں۔ جو کچھ مجھ سے وابستہ ہے یہ خدا کا ہے اور منجانب خدا ہے۔ یہ کلام یعنی قرآن کریم جس کی کوئی مثال نہیں ملتی (ذٰلك الكتاب لاريب فيه هدى للمتقين) میرا کلام نہیں ہے نہ میرے دماغ کی پیداوار ہے۔ یہ وحی من اللہ ہے لفظاً لفظاً۔ ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔"

یہ ایسی سچائی ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور یوں کہنے پر مجبور ہے

اشهد ان محمداً عبده ورسوله۔

آج بھی ؎

ہست دین مصطفےٰ دین حیات
شرع او تفسیر آئین حیات

(اقبالؒ)

نعت

از: ——— (سید طفیل احمد مدنی)

طلوع آفتاب نور وحدت کا زمانہ ہے
خدا کا فضل ہے عہد ولادت کا زمانہ ہے

جہاں میں محسن انسانیتؐ کی آمد آمد ہے
زبان و دل سے اظہار مسرت کا زمانہ ہے

شعور آدمیت جس نے بخشا اہل دنیا کو
اسی پیغمبر رشد و ہدایت کا زمانہ ہے

وہ جس کے بعد آئے گا نہ اب کوئی بھی پیغمبر
اسی ختم الرسل مہر نبوت کا زمانہ ہے

نفاق و بغض و دیرینہ عداوت چھوڑ بھی ہمدم
کہ اب اخلاص و تجدید محبت کا زمانہ ہے

ملے گا ان دنوں ان کے کرم سے جو بھی مانگوگے
یہی تو اصل میں باران رحمت کا زمانہ ہے

وہ جس کے اسوۂ حسنہ کا آئینہ ہے خود قرآں
اسی قرآن ناطق کی شریعت کا زمانہ ہے

پکارا جس کو رب نے رحمۃ للعالمین کہہ کر
اسی رحمت سراپا کی نبوت کا زمانہ ہے

جہاں سے عہد کفر و شرک کا اب خاتمہ سمجھو
علمبردار وحدت کی قیادت کا زمانہ ہے

طفیلؔ اپنا بھی دامن بھر لے فیضان رسالتؐ سے
کہ یہ طغیانیٔ دریائے رحمت کا زمانہ ہے

تاریخ وفات پروفیسر رشید احمد صدیقی

از: ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی

" آج غروب ہوگیا اُردو ادب کا آفتاب "

۱۵ جنوری ۱۹۷۷ء

دماغی کام کرنیوالوں کیلیے — طب یونانی کی کامیاب دوا

گولی روشن دماغ

دماغی و جسمانی تھکاوٹ کیلیے

چاندی — ایک بہترین مقوی دماغ و عام جسمانی ٹانک — چڑھی

دماغی کمزوری۔ یادداشت کی کمی۔ بےخوابی خیالات کی پریشانی۔ وحشت گھبراہٹ۔ انجانا خوف۔ ذہنی خلفشار۔ علمی ذوق ہونے کے باوجود مطالعہ سے جلد اکتا جانا۔ قوت فیصلہ کی کمی۔ مزاج میں حساسیت بڑھنے کی وجہ موسمی تغیر کے ساتھ نزلہ زکام کھانسی۔ سر میں درد یا بھاری پن ہوتے رہنا یہ ہیں وہ علامتیں جن سے آپ کی زندگی کا سکون اور آپ کا وقار مجروح ہوتا رہتا ہے۔ دماغی اور جسمانی نظام کو بہتر بنانے کیلئے روشن دماغ استعمال کیجئے۔ اور اپنی زندگی کو خوشگوار اور اپنی شخصیت کو پُر وقار بنایئے۔

قیمت:- ۵۰ گولی ۹ روپے ۱۰۰ گولی ۱۸ روپے علاوہ ڈاک خرچ۔ آرڈر کیساتھ ۱۰ روپے پیشگی آنا ضروری ۱۰۰ گولی سے کم کی وی۔ پی نہیں بھیجی جاتی۔ ہر مرض کا طبی مشورہ مفت طلب کریں۔

MODERN UNANI PHARMACY. (Regd.)
2165, PAHARI BHOJLA, JAMA MASJID DELHI-110006
Factory :-
1460/7A JYOTI COLONY, LONI ROAD SHAHDARA, DELHI-32.

انگریزی میڈیم کی اسکولوں میں پڑھنے والے طلباء کے لئے

ایک بہترین تحفہ

عقیدۂ توحید و رسالت کی حقیقت کو دل نشین پیرائے میں سمجھانے کے لئے سوال و جواب کے انداز میں ترتیب دی گئی کتابوں کا ایک سیٹ

"ONLY ONE GOD"
"صرف ایک خدا" & "پیغام اور پیغامبر"
"MESSAGE & THE MESSENGER"

دو کتابوں کے سیٹ کے لئے ۵ روپے ۲۵ پیسے مصارف ڈاک و پیکنگ ۲۵ پیسے

شائع کردہ

Shaheen BOOK AGENCY

شاہین بک ایجنسی

سید اسمٰعیل حسرت بھٹکلی منگلور

اَوروں پہ انگلیاں نہ اٹھاؤ تو بات ہے
خود آئینے کے رُو برو آؤ تو بات ہے

مانا کہ خوابِ دستِ حنائی حسین ہے
بزمِ حیات خوں سے سجاؤ تو بات ہے

اے مہر و ماہ و انجم تاباں کے فاتحو
تاریکیٔ حیات مٹاؤ تو بات ہے

ہوتے ہیں تازہ خار بھی فصلِ بہار میں
فصلِ خزاں میں پھول کھلاؤ تو بات ہے

پائی نجات گردشِ ایام سے . . . مگر
تم بھی مرے قریب نہ آؤ تو بات ہے

اللہ کی جناب میں بے جا ہے سرکشی
اپنی جبینِ ناز جھکاؤ تو بات ہے

بے خود بنا دیا ہے مئے ناب نے مجھے
اور تم پلا کے ہوش میں لاؤ تو بات ہے

رحمت اللہ رحمت رانچوی

خبر ملے، نظر ملے، متاعِ چشمِ تر ملے
اُسی کی ہے یہ زندگی جسے یہ عمر بھر ملے
تڑپ ملی، کسک ملی، چبھن ملی، جلن ملی
شناورانِ بحرِ غم کو غم کے ہی گہر ملے
بلاکشانِ میکدہ و عالی ظرف اُٹھ گئے
بچے جو کم طلب ملے رہے، جو کم نظر ملے
جو کھا کے ٹھوکریں گرے وہ گر کے پھر اُٹھ سکے
جو عیش رہ میں گم ہوئے کچھ ایسے ہم سفر ملے
بقدرِ ظرفِ غم ملا ہر اک کو بیش و کم ملا
مجھے تو چشمِ تر ملی انھیں جو سیم و زر ملے

نظیر صفی پوری

چمن میں انکے دم سے دلکشی معلوم ہوتی ہے
ہر اک گل میں نمایاں تازگی معلوم ہوتی ہے

وہ چپ ہوں تو چمن میں تیرگی معلوم ہوتی ہے
وہ ہنس دیں تو گلوں میں زندگی معلوم ہوتی ہے

سمجھ میں کچھ نہیں آیا ابھی تک پھیر منزل کا
کبھی کچھ تیرگی کچھ روشنی معلوم ہوتی ہے

زمانہ ہوگیا جو نقش ہیں میری نگاہوں میں
نظر ان کی ابھی تک اجنبی معلوم ہوتی ہے

کسی کے نقشِ پا رستہ میں ابتک جگمگاتے ہیں
چلے آؤ ادھر کچھ روشنی معلوم ہوتی ہے

کہاں کی نامرادی اور کیسی دل کی ناکامی
ہماری جستجو میں ہی کمی معلوم ہوتی ہے

نشاطِ زندگی یہ تھا کہ وہ مجھ میں چھپے ہوتے
وہ بچھڑے ہیں تو دنیا اجنبی معلوم ہوتی ہے

چھُوں گا گل اسی کے پھول خود میں اپنے دامن میں
ابھی جو مسکراہٹ اجنبی معلوم ہوتی ہے

نشیمن اپنا تم نے خود جلایا گلستاں چھوڑا
قفس میں تمکو اب کیوں تیرگی معلوم ہوتی ہے

جہانِ رنگ و بو سے دور اپنا آشیاں کرلے
یہاں کی چند روزہ زندگی معلوم ہوتی ہے

گل و بلبل کی دنیا سے کبھی آگے بھی سوچا کر
ابھی تیرے تخیل میں کمی معلوم ہوتی ہے

نظیر اپنا سفر منسوب ہے مینارِ منزل سے
کہیں اک شمع سی جلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے

اسلم عادل الہ آبادی

آئی جو اک ہنسی تو لبوں پر ٹھہر گئی
پلکوں پہ بوند اشک کی آکر بکھر گئی

مجھ کو اب آشیاں کی تباہی کا غم نہیں
اَے برق! آج تیری طبیعت تو بھر گئی

حالانکہ حسنِ غنچہ و گل تھا قدم قدم
پیشِ نظر تمہیں تھے جہاں تک نظر گئی

میں نے کبھی پلٹ کے نہ دیکھا خدا گواہ
وہ راہ جس طرف نگہِ راہبر گئی

شیرازۂ حیات مرا منتشر ہوا
خوش ہوں کہ تیری زلفِ پریشاں سنور گئی

چومے ہیں مہر و ماہ نے اکثر مرے قدم
چشمِ کلیم طور پہ جا کر ٹھہر گئی

مانگی تمام عمر دُعا وصلِ یار کی
عادل دُعائے نیم شبی بے اثر گئی

غزلیں

ماسونیہ

ایک پُر اسرار خطرناک یہودی تحریک

پروفیسر سید احتشام ندوی، ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی صدر شعبۂ عربی کالی کٹ یونیورسٹی۔ کیرالہ

ماسونیۃ (ماسونیت یہودی تحریک کا نیا نام ہے) ایک خفیہ عالمی تحریک ہے جو بظاہر مساوات، اخوت اور جمہوریت کی تعلیم پر مبنی ہے۔ اس تحریک کا خاص مقصد مذہب دشمنی ہے۔ یہ تحریک مذہب کو انسانی معاشرہ سے ختم کر دینا چاہتی ہے مگر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ خدا اور مذہب کی یہ جماعت یہودیت کے لئے مضرت رساں نہیں ہے۔ دراصل یہ ایک نفسیاتی طریقہ ہے جب ہر مذہب کی مخالفت بن جائیں گے مگر چونکہ ایک جانب مذہب دشمنی اور دوسری جانب مساوات اور اخوت عامہ کی دعوت بظاہر اسی کو اخلاقی قدروں کا حامل بنادیتی ہے۔ ان لوگوں کا اعلان ہے کہ یہ فلسفیانہ تحریک ہے جو ترقی اور دنیاوی بلندی کی دعوت دیتی ہے، دوسروں کا احترام، حریت ضمیر، مساوات، باہمی اخوت، اخلاق عالیہ کی تبلیغ، مذہب، زبان اور نسل کی تفریق کے بغیر عام انسانوں میں اتحاد، عام زندگی میں دینی جذبات کا احترام اور موقع کے لحاظ سے دینی جذبات کو ملحوظ رکھنا ماسونی ممبر کا فرض ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ خیالات عام لوگوں کو اپیل کرنے والے ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہ ایک ظاہری ملمع سازی ہے اندر سے اس تحریک کے عزائم نہایت خطرناک ہیں اس تحریک کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ یہ ایک انسانیت پرستی اور مساوات کی تحریک ہے اس لئے اس کا تعلق کسی سیاسی مسلک اور مذہبی نقطہ سے مطلق نہیں۔

ایک عالمی لادینی حکومت کا قیام ماسونیت کے مقاصد میں سے ہے۔ ماسونیت اخلاق اور ضمیر کی آواز کی مخالف ہے جو بے دین حکومتوں کی محافظت اور مذہب کی مخالفت پر قائم ہے۔

ماسونیت اور سیاست:

ماسونیت نے انسانی زندگی میں بڑے بڑے دور رس انقلابات برپا کئے ہیں۔ حریت، اخوت اور مساوات کا نعرہ ماسونیوں کا شعار ہے اور یہ لوگوں کو اپیل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ انسانیت، تجربیت، لاادریت، مثالیت، مادیت اور اشتراکیت جیسی اصطلاحیں بھی ان کو مدد دیتی ہیں، وہ مفکر و ادیب جو ماسونیت کے فلسفہ کے مخالف ہوتے ہیں ان کے خلاف ماسونی کو ایسا پروپیگنڈہ کرنا چاہیے کہ وہ نگاہوں سے گر جائیں۔ مثلاً دستوفیسکی (روسی ادیب) ماسونیت کا مخالف تھا مگر اس کے خلاف سخت حملے کئے گئے حتیٰ کہ تنقیدوں میں اس پر جنون کا الزام بھی عائد کیا گیا۔

ماسونیت رائے عامہ ہموار کر کے پارلیمنٹ کے ممبروں پر قبضہ جمالیتی ہے، پھر اس کے نقطۂ نظر سے بوڑھوں اور بچوں کو چھوڑ کر اصل توجہ نوجوانوں پر مبذول کرنی چاہیے حتیٰ کہ ماسونیوں کو ان تمام جماعتوں کا مقابلہ کرنا لازم ہے جو اس کی مخالفت کرتی ہوں۔ ماسونیوں کو فوج کے اعلیٰ افسروں پر قبضہ جمانا چاہیے، وزیر دفاع کو متاثر کرنا چاہیے۔ فوج کو بہکا نا ان کے اندر سے اخلاقی روح کو ختم کرنا اور ان کو بزدل بنانا بہت ضروری ہے۔ پُر اثر انداز ہونے کی کوشش کرنی لازم ہے۔ ماسونیوں کو مذہبی جماعتوں میں گھسنا چاہیے بلکہ ان کو خود ایسی تحریکیں اور ایسے ادارے بنانے چاہئیں جن کے بارے میں کسی کو شبہ نہ ہو یہ ماسونیوں کے ادارے ہیں پھر ان کے ذریعہ سے مطلب برآری کرنی چاہیے۔ یہاں تک کہ ان کو چھوٹے چھوٹے عبادت خانوں میں گھسنا چاہیے اور اپنے زہر کے خطرات سے دین کی روح کو مجروح کرنا چاہیے بلکہ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ عقلمندانہ تدابیر سے اس عبادت خانہ کے وہ خود حاکم اعلیٰ بن جائیں پھر رفتہ رفتہ اپنے مقاصد کے لئے اسکو استعمال کریں۔ ماسونیت کو رائج کرنے کا ایک طریقہ اور ہے، وہ ہے ہوٹلوں اور کیفے میں جا کر لوگوں میں ایسی فضا پیدا کرنا جو ماسونیت کے لئے مفید ہو۔

سب سے مفید طریقہ یہ ہے کہ اخلاق کو جڑ سے کاٹ دیا جائے اس لئے کہ نفوس انسانی مائل بہ برائی ہیں نوجوان مائل بفساد فطری طور پر ہوتے ہیں۔ اُن کو آسانی سے برائیوں اور رذائل کا شکار بنایا جاسکتا ہے اور اپنے مشن کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ماسونیت کے مقاصد:

ماسونیت کا مقصد ہے سارے عالم پر قبضہ کرنا۔ یہ قبضہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے افکار و خیالات سارے عالم میں نشر و اشاعت سے عام کردیں۔ ماسونیت ادیان، تقالید اور قومیتوں سے برسرپیکار رہے۔ ماسونیت سیاسی تحریکوں کی سردار ہے اس کا مقصد ایسی حکومت کا قیام ہے جو خدا کو نہ پہچانتی ہو۔

یہ واضح رہے کہ فوج جمہوریت کے لئے خطرہ ہے اور جمہوریت میں ماسونیت خوب پنپتی ہے۔

ماسونیت کے عالمی اہمیت کے کارنامے:

۱۔ فرانس میں جو انقلاب آیا وہ دراصل ماسونیت کے خواب کی تعبیر تھی، اخوت، مساوات اور حریت اسی کا نعرہ تھا۔

۲۔ اشتراکیت بھی ماسونیت کے کارناموں میں سے ہے۔ کارل مارکس اور انجلس دونوں ماسونی تحریک کے سرگرم ممبر تھے۔ اشتراکیت میں مذہب کی مخالفت دراصل ماسونی عزائم کی ترجمانی ہے۔

۳۔ اتحاد و ترقی نے ترکی میں جو کچھ کیا وہ دراصل ماسونیوں کا عظیم کارنامہ تھا، یہ ماسونیوں کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے سلطان عبدالحمید ثانی کو رسوا کیا اور بدنام کیا پھر جرمنی کے ساتھ جنگ میں ڈھکیلنے کا کام بھی انہی یہودیوں نے کیا۔

اس وقت دنیا میں ۹۰ مختلف تحریکیں ہیں جو ماسونی عزائم کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ اب ان کا مطمح نظر اقوام متحدہ پر قبضہ ہے، چنانچہ اس وقت تقریباً ۸۴ اہم عہدوں پر بحیثیت نمائندے اور اکثر صدر شعبہ کی حیثیت سے یہودی ممتاز ہیں اور خود سکریٹری بھی یہودی ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اسرار الماسونیہ مصنفہ جزجوادرفعت ترکی)۔

بڑے تعجب کا مقام ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے پوری دنیا کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی فوجی و مادی طاقت امریکہ اسکی غلام ہے اور یہودیت کے تسلط میں ہے۔ عالم اسلام میں ان کی تخریبی کوششیں جاری ہیں۔ یہودیوں میں خفیہ تنظیم چلانے کی صلاحیت شاید دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ وہ صدیوں سے یہ اخلاقی کاروبار کر رہے ہیں۔ وہ ایسے خفیہ طریقے اختیار کرتے ہیں جہاں انسان کا خیال بھی پرواز نہیں کرسکتا۔ مسلمانوں کو ان کی فتنہ پردازیوں سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

شاہ فرانس نپولین ثالث نے ۱۸۵۹ء میں کہا تھا:-

"ہمیں اپنے نفس کو دھوکے میں نہ رکھنا چاہیے۔ دنیا کو خفیہ تحریکیں گھمائی ہیں۔ مگر یہ تحریکیں میرے خیال میں یہودیت کی پروردہ ہیں۔"

جواب طلب امور کے لئے جوابی خط ارسال کریں
نیز پتہ صاف اور مکمل لکھا کریں۔
(مینیجر)

ایڈیٹر، پبلشر، مسئول سید محمد حسنی نے جے کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر تعمیر حیات ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔
اڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی
کتابت: جلال الدین بستوی ندوی